

نالہ ہونکے کی طیل
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
بکھت عبد اللہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

نالی ہندی میں

لاکھو ہندی ہندی



قدم قدم پہ ملے اک نئی خوشی تم کو
اندھیری راہ میں مل جائے روشنی تم کو
میری دعا ہے خدا سے کہ کاش لگ جائے
میری حیات کے لمحوں کی زندگی تم کو

”مہنگائی دیکھ رہی ہو آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔
کتنے اخراجات ہوتے ہیں بچوں کی فیسیں، بلوں کی
ادائیگیاں، راشن پانی..... میرا میاں ایک کمانے والا ہے
اوپر سے تم مہینے کے آخر میں پیسے مانگنے آگئی ہو۔ کہاں
سے دیں؟ ابھی عالیہ کی فیس بھی انہوں نے اپنے دوست
سے ادھار پیسے لے کر دی ہے کچھ میرے پاس جمع تھے وہ
کام آئے۔“ مجھے بھابی کی باتیں بُری نہیں لگ رہی تھیں
دکھ تو بھیا کی خاموشی اور اطمینان کا تھا۔ ان کے چہرے پر
مجھے ڈھونڈنے سے بھی ہلکی سی اندامت کا کوئی تاثر نہیں ملا
تو میں اٹھ کھڑی ہوئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی بھیا کو
مخاطب کر گئی۔

”بھیا آپ کتنے دنوں سے آئے نہیں، لبا بہت یاد
کرتے ہیں آپ کو۔“

”ہاں چکر لگاؤں گا۔“ بھیا بے نیازی سے کہہ کر اٹھ
گئے تو میں بڑی آس سے انہیں دیکھنے لگی کہ شاید مجھے اپنے
ساتھ چلنے کو کہیں گے کہ چلو میں تمہیں گھر چھوڑتا ہوا چلا

میں صبح لبا کو چائے پاپے کا ناشتا کروا کر گھر سے نکل
آئی میری سگی میں چند منٹ کے تھے جو میں نے رات ہی گھر
کے کونے کھدروں سے تلاش کیے تھے اور جو بس بھیا کے
گھر پہنچنے تک ہی کام آ سکتے تھے۔ اس وقت تو یہ بھی
غیرت تھے واپسی کے لیے بھیا کچھ نہ کچھ دے ہی دیں
گے۔ میں اس آس پر بھیا کے گھر پہنچی تھی تو آگے دہ آفس
جانے کے لیے تیار ڈانٹنگ پر بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔

میرے سلام کے جواب میں انہوں نے مجھے یوں
دیکھا جیسے میں اتنی صبح کیسے بلکہ کیوں آئی ہوں۔

”بھیا..... وہ..... لبا کی طبیعت بہت خراب ہے رات
بھر کھانتے رہتے ہیں۔“ میں نے تھوگ نلگتے ہوئے بتایا تو
بھیا سے پہلے بھابی بول پڑیں۔

”گھر بڑھاپے میں تو ہر انسان کھانتا ہے یا نہیں بتایا
جی کیسے کھانتے تھے۔ ان کے لیے کتنی دوائیں گئیں، کوئی
فائدہ ہوا۔“ میں نے بے بسی سے بھیا کو دیکھا تو بھابی پھر
شروع ہو گئیں۔

بھی پسند نہیں کرتی تھیں اور اس کا اظہار وہ برملا کرتی تھیں بڑے بھیا ان کے عشق میں اندھے ہو چکے تھے پھر بھی اتنی مروت ضرور دکھائی کہ ہمیں گھر سے نکالنے کی بجائے خود ہی الگ ہو گئے اور ایسے گئے کہ اب صرف عید بقرہ عید پر ہی اپنی شکل دکھا جاتے تھے۔

پھر مریم باجی کو کہ بڑے بھیا سے بائچ سال چھوٹی تھیں اور ابھی انٹر ہی کیا تھا کہ اماں کی سیکنڈ کزن نے اپنے بیٹے سجاد کے لیے پسند کر لیا کیونکہ اماں کے انتقال کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اس لیے بہت سادگی سے ابابا نے مریم باجی کو سجاد کے سنگ رخصت کر دیا تھا۔

اور اب میں ابھی انٹر کی اسٹوڈنٹ تھی مجھے پڑھنے کا بہت شوق تھا اور میں بہت سارا پڑھنا چاہتی تھی۔ ایم اے بی ایچ ڈی اور پھر میں بہت بڑی آدمی بن جاؤں گی۔ یہ میرے خواب تھے لیکن ابابا کی بیماری نے میرا کالج بھی چھڑا دیا۔ مجھے اپنے خوابوں کے ادھورا رہ جانے کا اتنا ملال نہیں تھا جتنا مجھے ابابا کی بیماری نے پریشان کر دیا تھا۔ میں ہمہ وقت ان کی خدمت میں لگی رہتی لیکن صرف خدمت سے کیا ہوتا ہے دوا دارو بھی تو ہوا اور ہماری گزر اوقات صرف ابابا کی پنشن پر تھی جس میں دال روٹی مشکل سے چلتی تھی ابابا کی دوا کے لیے پیسے کہاں سے آتے۔

پچھلی تین راتوں میں ابابا ایک پل کے لیے نہیں سوئے تھے دے کا ایک شدید تھا۔ میں پوری پوری رات ان کی پیٹھ سہلاتی رہی تھی اور اب میں اسی سلسلے میں بڑے بھیا کے پاس گئی تھی کہ ابابا کو ڈاکٹر کو دکھا دیں لیکن ان کے کان پر تو جوں بھی نہیں رہتی۔ لوگ بیٹے کی آرزو اس لیے کرتے ہیں کہ وہ بڑا ہو کر سہارا بنے گا لیکن اب تو یہ باتیں خواب و خیال ہو گئی ہیں۔

میں چلتے چلتے جانے کہاں نکل آئی تھی سورج اب سوا بیڑے پر آ گیا تھا۔ میرے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے ٹانگیں الگ شکل ہو گئی تھیں۔ میں نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر اطراف کا جائزہ لیا تو میرا دل مزید بوجھل ہو گیا۔ سامنے مریم باجی کا گھر تھا میں کتنی دیر کھڑی ان کے

جاؤں گا لیکن وہ تو بھابی کو خدا حافظ کہہ دے چلے گئے۔ ”بیٹھو صالو! میں تمہارے لیے ناشتا لاتی ہوں۔“ بھابی نے جانے کس دل سے کہا۔

”نہیں بھابی! میں ناشتا کرائی ہوں۔“ میرے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی اور پھر میں رکی نہیں تیز قدموں سے باہر نکل آئی۔ میری آنکھیں دھندلا رہی تھیں اور مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں بس چلتی جا رہی تھی۔ دن کے آغا پر سورج کی کرنوں میں عجیب سی جھپٹن تھی یوں لگ رہا تھا جیسے بدن میں کوئی مسلسل سوئیاں چھو رہا ہو لیکن اس سے کہیں زیادہ دکھ میرے اندر تھی۔ اتنی بڑی زمین اتنا بڑا آسمان اور میں تنہا..... میری آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

گھر جا کر ابابا کو کیا جواب دوں گی وہ بے چارے کتنی آس سے مجھے دیکھیں گے پھر میرے پیچھے ان کی نظریں بجھکیں گی کہ شاید بھیا آئے ہوں۔

”اور بھیا..... آف.....“ میرے ہونٹوں سے سسکی نکلی تھی۔

بڑے بھیا پہلوئی کی اولاد ہونے کی وجہ سے اماں ابابا دونوں کی مشترکہ محبت کے حق دار تھے اور ان کا پلہ اس لیے بھاری تھا کہ ان کے بعد دو بیٹیاں مریم اور میں تھی۔ یہ نہیں تھا کہ ہم دونوں نظر انداز کر دی گئی تھیں یا ہماری کوئی اہمیت نہیں تھی بس بات یہ تھی کہ اکلوتا چاند آسمان پر منفرد نظر آتا ہے سو بڑے بھیا ایسے ہی تھے۔

اسکول کالج میں تھرڈ ڈویژن لے کر آنے والے بڑے بھیا یونیورسٹی میں ایک حسینہ کے عشق میں گرفتار ہو گئے اور عرقید کی مزا کے ساتھ ہی اس کے غلام بن گئے۔ اماں کے لیے یہ صدمہ گہرا اور تکلیف دینے والا تھا کیونکہ انہوں نے بڑے بھیا کے لیے الگ خواب سجا رکھے تھے جو یوں مٹی میں ملے کہ اماں بھی منوں مٹی تلے جا سوائیں۔ ابابا نے کڑوا گھونٹ بھرا اور اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئے اور بھابی روایتی رسموں کی کتابیں پڑھ کر آئی تھیں۔

تندوں اور سر کو برداشت کرنا تو دور کی بات وہ انہیں دیکھنا

جواب دے گیا۔ نسو اس روانی سے چھلکے کہ مریم باجی سمیٹتے سمیٹتے تھک گئیں۔

”بس کرو صالح! مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟“ مریم باجی خود روہاںسی ہو گئی تھیں اور میں انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اب کچھ چھپانا بھی ممکن نہیں تھا میرے آنسوؤں نے انہیں سب نہیں تو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

”ابا کی طبیعت خراب ہے میں یہی بتانے بڑے بھیا کے پاس گئی تھی لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ باجی میں کیا کروں مجھ سے ابا کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔ کاش میں انہیں کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا سکتی۔“ میں روتے ہوئے بول رہی تھی مریم باجی ایک دم چپ ہو گئیں پھر اٹھ کر الماری میں جانے کیا تلاش کرنے لگیں تو میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں چلتی ہوں باجی ابا کیلے ہیں۔“

”ہاں ایک منٹ۔“ مریم باجی نے فوراً الماری بند کی اور اپنی بند مٹھی میرے ہاتھ میں کھول کر میری مٹھی بند کر دی۔

”باجی.....“

”ابھی یہ تھوڑے سے پیسے ہیں تم ان سے کام چلاؤ“ پھر میں سجاد کے ساتھ آؤں گی تو ہم ابا کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔“

”لیکن باجی.....“ مجھے اپنی بند مٹھی میں نوٹ چھپنے لگے تھے یہ فرض تو بڑے بھیا کا تھا۔

”اچھا بس کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ باجی نے مجھے ٹوک دیا پھر تسلی دیتے ہوئے مجھے دروازے تک چھوڑنے آئیں تو میں پھر ان سے لپٹ گئی۔

”باجی! ابا اچھے ہو جائیں گے ناں۔“

”ان شاء اللہ! ابھی تو انہیں تمہاری شادی کرنی ہے۔“ مریم باجی نے پیار سے میری ٹھوڑی چھو کر مجھے بہلانے کی کوشش کی تو میں بھی فوراً مسکرائی اور انہیں خدا حافظ کہہ کر تیز قدموں سے چل پڑی تھی۔

اپنے گھر تک آتے ہوئے میں خود بھوک سے غمگین

دروازے کو کھتی رہی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کروں؟ واپس پلٹنے کی ہمت بھی نہ مریم باجی سے ملنے کی کیونکہ ان کے حالات میں بہت اچھی طرح جانتی تھی بے چاری کتنی مجبور یوں میں گھری ہوئی تھیں بھر لڑ اسسرال تھا ساس سر جیٹھ جٹھانی تین دیور اور ایک طلاق یافتہ نند جسے مریم باجی سے خدا واسطے کا پیر تھا۔ ان کی خدمتوں سے جو وقت بچتا وہ مریم باجی کے دو چھوٹے بچوں کے حصے میں آتا تھا۔

میں نے سرو نچا کر کے آسمان کو دیکھا کہ شاید میرے خشک حلق میں وہی دو بوندیں ٹپکادے لیکن وہ تو خود سورج کی تمازت میں جل رہا تھا تب ناچا جتے ہوئے بھی میں نے مریم باجی کے دروازے پر دستک دے ڈالی اور پہلی دستک پر ہی دروازہ کھلنے کے ساتھ مریم باجی کا چہرہ نظر آیا تو میں بے اختیار ان سے لپٹ گئی لیکن شکر ہے آنسو کہیں اندر اتر کر سوائی سے بجائے۔

”مجھے پتا نہیں کیوں صبح سے ایسا لگ رہا تھا کہ تم آؤ گی ابا کی طبیعت کیسی ہے؟ انہیں بھی ساتھ لے آئی۔ بچوں کی وجہ سے فرصت نہیں ملتی ورنہ روز سوچتی ہوں تم سے اور ابا سے مل آؤں۔“ مریم باجی میرا ہاتھ پکڑے نظریں چرا کر بولتے ہوئے مجھے اپنے کمرے میں بٹھا کر جلدی سے پانی لے آئیں تو میں نے جھپٹنے کے انداز میں ان کے ہاتھ سے گلاس لے کر ایک سانس میں خالی کر دیا تو وہ پوچھنے لگیں۔

”کھانا کھاؤ گی لاؤں؟“

”نہیں باجی!“ میں نے اپنے وہائیاں دیتے پیٹ کی ایک نہیں سنی اور سہولت سے منع کر کے انکا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھالیا۔

”بس آپ کچھ دیر میرے پاس بیٹھیں۔“

”کہاں سے آرہی ہو؟“ مریم باجی اب میری شکل دیکھ کر ٹھنکیں۔

”بڑے بھیا کے ہاں گئی تھی۔“ میں نے کوشش سے سرسری انداز اختیار کیا تھا۔

”خیریت.....؟“ اور خیریت کہاں تھی میرا ضبط

شام میں حیدر انکل آئے تو ابا کے لیے ڈھیروں پھل بسکٹ اور جانے کیا کچھ لے کر آئے تھے۔ مجھے اپنی کم مائیگی پر شدت سے رونا آیا اور بڑے بھیا پر غصہ حیدر انکل کچھ دیر ابا کے پاس بیٹھے پھر جاتے ہوئے بھی مجھ سے کہہ گئے کہ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو میں بلا جھجک کہہ دوں۔

”ہاں مجھے ضرورت ہے بہت ساری چیزوں کی“ اپنے لیے نہیں ابا کے لیے اس رات میں جانے کس سے لڑ رہی تھی۔

”میرے لیے سب کچھ میرے ابا ہیں اور میں انہیں ساری نعمتیں دینا چاہتی ہوں۔“

”تو دوس نے منع کیا ہے لیکن یاد رکھو نعمتیں یوں بیٹھے بیٹھے نہیں مل جاتیں ہاتھ پاؤں چلانے پڑتے ہیں۔“ مجھے تھنچوڑا گیا۔

”میں..... میں.....“ میں بوکھلا کر احتجاج کرنے لگی لیکن شنوائی نہیں ہوئی تو میں خائف ہو کر سو گئی لیکن صبح نئے عزم کے ساتھ اٹھی تھی۔

”ابا! میں حیدر انکل سے کہوں گی مجھے کہیں جاب دلا دیں بلکہ کہیں کیوں..... انکل کی اپنی فیکٹری ہے۔“ میں نے حیدر انکل کے لائے ہوئے سیب کاٹ کر ابا کو کھلاتے ہوئے کہا تو وہ میرا چہرہ دیکھنے لگے۔

”ٹھیک ہے ابا! ابھی میری تعلیم زیادہ نہیں ہے میں ساتھ ساتھ پڑھ بھی لوں گی۔“ میں یہی سمجھی ابا میری ادھوری تعلیم جتانیں گے لیکن وہ دکھ سے بولے۔

”اب یہ وقت آ گیا ہے۔“

”کوئی بڑا وقت نہیں ہے اللہ کا شکر ہے میرے ہاتھ ویر سلامت ہیں۔ میں جاب کروں گی مزید پڑھوں گی اور آپ کی خدمت کروں گی بس.....“ میں نے فیصلہ سنا دیا ابا کچھ نہیں بولے البتہ ان کے چہرے کی لکیروں میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔



مجھے جاب کے لیے تردید نہیں کرنا پڑا حیدر انکل نے اپنی فیکٹری میں مجھے لڑکیوں کے ڈیپارٹمنٹ کا سپروائزر

ہو چکی تھی ابا کا جانے کیا حال ہوگا۔ مجھے اور کچھ کچھ میں نہیں آیا تو بیکری سے ڈبل روٹی انڈے اور دودھ لے کر نکلی تو سامنے سے انکل حیدر نے پکار لیا۔ حیدر انکل ہمارے محلے کے معتبر شخص تھے ان کی اپنی گارمنٹ فیکٹری تھی شرافت اور صداقت میں پورا حملہ ان کی گواہی دیتا تھا۔

”کہاں سے آرہی ہو بیٹا! بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔“ حیدر انکل نے پوچھا تو مجھے کیونکہ اس وقت صرف ابا کا خیال تھا تو میری زبان پر ان ہی کا نام آ گیا۔

”جی وہ ابا.....“

”ہاں اب کیسی طبیعت ہے تمہارے ابا کی؟“

”جی بس.....“ میری آنکھوں میں پھر پانی جمع ہونے لگا تو میں نے سر جھکا لیا۔

”بیٹا! کوئی پریشانی کی بات ہو کرے تو بلا جھجک کہہ دیا کرو۔ تم میری اپنی بیٹی کی طرح ہو۔ میں شام کو آؤں گا تمہارے ابا کو دیکھنے۔“ وہ شاید جلدی میں تھے میرا سر تھپک کر چلے گئے تو میں ان کے خلوص کو دل سے محسوس کرتے ہوئے گھر آئی تو ابا کی کھانسی نے میرا استقبال کیا۔

”ابا.....“ میں نے بھاگ کر دہرے ہوتے ابا کو تھام لیا اور ان کی پیٹھ سہلانے لگی۔ کچھ دیر بعد ابا قدرے پرسکون ہوئے تو پوچھنے لگے۔

”کیا ہوا؟ بھائی ملا یا ابہر ہی سے تمہیں ٹر خا دیا؟“

”ملے تھے ابا! ابہر سے کیوں ٹر خائیں گے۔“ میں نے فوراً دھٹے انداز میں کہا۔

”پھر آیا نہیں تمہارے ساتھ؟“

”کل آنے کو کہا ہے ابھی انہیں ضروری میٹنگ میں جانا تھا۔“ میں نے محض ابا کی تسلی کے لیے جھوٹ بولا تو ان کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ جھلک دکھلا کر غائب ہو گئی پھر میرا ہاتھ تھام کر بولے۔

”بیٹا! ابپ سے جھوٹ نہیں بولتے۔“

”جی آپ جانتے ہیں تو پھر کیوں پوچھتے ہیں۔“

”اپنی تسلی کے لیے یا پھر خود کو جھٹلانا چاہتا ہوں۔“ ابا کی خودکلامی سن کر میں وہاں سے اٹھا آئی۔

سحرش علی

آپنل پڑھنے والوں کو دل کی گہرائیوں سے سلام۔
میرا نام سحرش علی ہے میں 12 ستمبر 1994ء کو اس دنیا
کے خوب صورت ضلع میانوالی میں پیدا ہوئی، ہم چار
بہن بھائی ہیں اور میں ایف ایس سی کے سپردے کر
فارغ ہوں۔ میری خوبیاں اور خامیاں کیا بتاؤں
خامیاں تو مجھ میں ہیں ہی نہیں (ہاہاہا)۔ میری سب
سے بڑی خوبی یہ ہے کہ میں ہر حال میں سچ بولتی ہوں
اور یہ اعتراف میرے گہروالے اور میری دوست سب
کرتے ہیں میرا خیال ہے یہ بہت بڑی خوبی ہے میں
نے بھی جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے شلوار قمیص پسند ہے
سازھی بالکل اچھی نہیں لگتی۔ پھول گلاب کا اور پرفیوم
سارے ہی پسند ہیں۔ چلو اب خانی بھی بتا دیتے ہیں
کہ میری اپنے چھوٹے بھائی سے بالکل نہیں بنتی۔
میری جو بیسٹ فرینڈ ہیں ان کے نام بتائے دیتی ہوں
سدرہ سحر، سدرہ عالم، فوزیہ، بشری، نجمہ، رومانہ، سائرہ علیہ
اسماء اور سعدیہ یہ میری بیسٹ فرینڈز ہیں۔ میرے
پسندیدہ ٹیچر اور جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا سحر علی
حیدر، سر رمضان، سر الپاس دانش اور سر خشک ہیں۔ اچھا
جی اب اجازت دیں فی امان اللہ۔

بٹوہ اور لبا کی وجہ سے وقت کی قید بھی نہیں رکھی میں آرام
سے صبح دس بجے تک لبا کے اور گھر کے سارے کام نہنا کر
ٹیکسری جانی اور پانچ بجے واپس آ جاتی تو پھر رات کے
کھانے کے بعد گیارہ بارہ بجے تک پڑھ بھی لیتی تھی اور پھر
شاید یہ مصروفیت تھی یا میرا عزم کہ میں نے جلنا کڑھنا اور
اپنی بے بسی کا ماتم کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے برعکس میں
اچھے دنوں کے خواب دیکھنے لگی تھی اور میرے خواب میری
سوچوں کا محور صرف میرے لبا تھے۔

رات میں جب میں پڑھنے بیٹھتی تو کسی وقت میری
نظریں کتاب سے ہٹ کر لبا پر جا ٹھہرتیں۔ مجھے ان پر
بہت ترس آتا بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ تھے حالانکہ زیادہ
عمر نہیں تھی ان کی۔ ان سے زیادہ عمر کے بوڑھے نہ
صرف چلتے پھرتے بلکہ کام کاج بھی کرتے تھے شاید
اس لیے کہ انہیں اچھی خوراک اور سب سے بڑھ کر
اولاد کا سکھ میسر تھا۔

”کاش بڑے بھیا کو احساس ہوتا خود کتنے عیش و
آرام سے رہتے ہیں اور لبا کا ذرا خیال نہیں۔ اس وقت
میرا دل دکھ سے بھر گیا اور اچانک ایک خیال کہ لبا کو کچھ
ہو گیا تو.....“

”نہیں۔“ میرا دل کسی اتھاہ میں ڈوبنے لگا۔ ”لبا کو کچھ
نہیں ہوگا“ میں تنخواہ ملتے ہی لبا کو اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گی
پھر ان کی خوراک کا بہت خیال رکھوں گی۔ پھل، جوسز،
سوپ پھر لبا بہت جلدی بہت اچھے ہو جائیں گے حیدر
انکل کی طرح۔“

اور پھر میری زندگی کا واحد مقصد لبا جن کے لیے پہلی
تنخواہ ملتے ہی میں نے ڈھیروں پھل خریدے اور آئندہ
کے لیے بہت کچھ سوچتی ہوئی گھر آئی تو لبا اطمینان سے
سو رہے تھے۔

”لبا.....“ میری آواز کی کھنک کسی نے نہیں سنی اور
چند لمحوں بعد میری چیخوں سے سارا محلہ دوڑا چلا آیا تھا۔

لبا..... میرے پیارے لبا چلے گئے اور میری دنیا ویران
ہو گئی۔ بڑے بھیا دنیا دکھاوے کو تین دن آئے ضرور لیکن

مجھ سے جھوٹے منہ بھی ساتھ چلنے کو نہیں کہا نہ انہیں یہ
تشویش تھی کہ میں اکیلی کیسے رہوں گی البتہ مریم باجی بار
بار اس بات کو دہرا رہی تھیں آخر میں نے کہہ دیا۔

”میری فکر نہ کریں باجی! میں اپنے گھر میں ہوں۔“

”اے گھر میں تو ہو لیکن اکیلی.....“

”اکیلی ہو گئی ہوں تو اکیلی ہی رہوں گی۔“ میں نے
باجی کو خاموش کر دیا تھا۔

پھر کتنے دن گزر گئے میری زندگی میں اب کچھ نہیں رہ
گیا تھا میں سارا وقت لبا کے خالی تخت کو دیکھتی رہتی کیا
کچھ نہیں سوچا تھا میں نے ان کے لیے اور ان ہی کے لیے
میں نے ہمت باندھی تھی۔ وہ نہیں رہے تو ہمت بھی ٹوٹ
گئی لیکن پھر حیدر انکل کے سمجھانے پر میں نے پھر سے

میں عادت کے مطابق کنوئس کے لیے ایک جگہ کھڑی نہیں رہ گئی، چل پڑی تھی پھر ادھر ایک رکشہ میرے قریب آ کر رکھا ادھر میری نظر پھلوں کی ریڑھی پر پڑی تو میں نے رکشہ والے کو روکنے کا کہہ کر جلدی سے کچھ پھل لیے پھر رکشہ میں بیٹھ گئی اور راستے میں تو مجھے کوئی فقیر نہیں ملا لیکن شکر ہے گھر کی گلی میں داخل ہوئی تو سامنے سے فقیر آتا دیکھ کر میں نے جلدی سے پھل کا شاپرا سے تھما دیا تھا گویا اب یہ مجھ پر ایک بوجھ ہوتا تھا جسے میں فوراً اتار پھینکنا چاہتی تھی۔ اس کے بعد اطمینان سے ہو جاتی۔ اس وقت بھی میری یہی کیفیت تھی، گھر آ کر میں نے کھانا کھایا اس کے بعد کچھ دیر فون پر مریم باجی کے ساتھ گپ شپ کی پھر سونے کے لیے لیٹ گئی۔

میری یہی روٹین تھی صبح کیونکہ آفس کے لیے جلدی لکھنا ہوتا تھا اس لیے میں جلدی سو جاتی تھی اور شکر ہے کہ مجھے نیند کے لیے جتن نہیں کرنے پڑتے تھے میں فوراً سو جاتی تھی۔ اس وقت بھی میں سو گئی تھی لیکن پھر ہتا نہیں کیا ہوا میری آنکھ کھل گئی مجھے کسی نے پکارا تھا۔

”کون.....“ میں نے گھپ اندھیرے میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ کوئی نظر نہیں آیا لیکن کوئی تھا میرا دل ڈوبنے لگا پھر ایک جھونکا آیا اور اس جھونکے میں واضح سرگوشی جس میں ہلکی سی سرزنش نے میری رگوں میں ابھرنے لگا کر دیا تھا۔

”بیٹا..... پھل تو دیکھ کر لیا کرو۔“



فیکٹری جانا شروع کر دیا جس سے کافی حد تک میرا دھیان ہٹ گیا۔ اب گھر کے کام نہ ہونے کے برابر تھے میں نے دلجمعی سے پڑھنا بھی شروع کر دیا تھا۔

دو سال میں میں گریجویٹ ہو گئی اس کے بعد میں نے مختلف کورس کرنے شروع کر دیے۔ خاص طور سے کمپیوٹر کورس جو ابھی جاب کے لیے بہت ضروری تھا۔ اس دو ران میں نے گھر کی حالت بہت بہتر کر لی تھی ویسی ہی جیسی میں ابا کے لیے چاہتی تھی۔ ابا کے لکڑی کے تخت کی جگہ بیڈ رکھ دیا اور میں تصور کرتی کہ ابا اس بیڈ پر آرام سے سو رہے ہیں۔ چھوٹا فرنیچر لے لیا اور روزانہ پھل لا کر اس میں رکھتی پھر کوئی فقیر صدانگا تا تو میں وہ پھل نکال کر اسے دے دیتی۔ اس سے مجھے بہت تسلی ہوتی تھی انہی دنوں میں نے خواب میں ابا کو دیکھا صحت مند ہنستا کھلتا ہوا چہرہ..... میں نے خوشگوار حیرت میں گھر کر پوچھا تھا۔

”ابا! آپ اتنے صحت مند کیسے ہو گئے؟“

”اتنے پھل کھلاؤ گی تو صحت نہیں پکڑوں گا۔“ ابا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

اور اس کے بعد تو میں نے کبھی ناغہ نہیں کیا مجھے یقین مل گیا تھا کہ میں جو ابا کے لیے پھل خریدتی ہوں وہ ابا ہی کھاتے ہیں۔

پھر وقت بھاگتا چلا گیا، میرے ہاتھ میں ڈگری کے ساتھ مختلف کورسز کے سرٹیفکیٹ آئے تو پھر مجھے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی جاب مل گئی۔ ہینڈ سم سیلری لیکن پھر اسی حساب سے محنت میں بہت مصروف ہو گئی۔ اس کے باوجود میں روانہ ابا کو پھلوں کا تحفہ بھیجنا نہیں بھولی خواہ میں کتنی عجلت میں ہوتی راستے میں جہاں پھلوں کی ریڑھی نظر آتی میں کچھ پھل خرید کر وہیں کسی فقیر کو دے دیتی۔ بس یہ ہوا تھا کہ اب میں پھل چھانٹ کر ادران کی تازگی کا یقین کر کے نہیں لیتی تھی کیونکہ اب میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔

اس وقت میں آفس سے نکل تو شام گہری ہو گئی تھی پھر سردیوں کی آمد تھی فضا میں خنکی محسوس ہو رہی تھی پھر

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

آنچل

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلچسپ و فراہم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

افریقہ امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

5000 روپے (ایک ساتھ منگوانے)

6000 روپے (ایک الگ الگ منگوانے پر)

میڈل ایسٹ ایشیائی یورپ کے لیے

4500 روپے (ایک ساتھ منگوانے)

5500 روپے (ایک الگ الگ منگوانے پر)

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ منی آرڈر منی گرام
ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی..... 0300-8264242

نئے آف گروپ آف پبلی کیشنز

کتاب نمبر: 7 فیسرہ جمیہ عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔

فون نمبر: 2/35620771-922

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Circulationn14@gmail.com

دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔ کیا اس کا بھی اسے دیکھنے کو دل چاہتا ہے یا نہیں؟

مگر..... اس کے برعکس عثمان کی فیلنگو کچھ اور تھیں جس روز اسے اس حقیقت کا علم ہوا تھا وہ تو گویا گہرے صدمے کی زد میں آ گیا تھا۔ وہ شاکڈ تھا اسے یہ سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ سب ہوا تو کیوں؟ کس کی منشاء پر اسے تو لگا تھا کسی نے دھماکے سے اسے اڑا دیا ہوا تھا شاکڈ تھا وہ حیران بے یقین تھا۔ اس شاکنگ نیوز کا جواب لینے وہ اپنی ماں کے سر پر پہنچ گیا تھا۔

”امی جو کچھ میں نے سنا ہے کیا وہ سچ ہے؟“ (ان دنوں وہ امی کو لے کر ایسٹ آباد آیا ہوا تھا۔ وہیں کزنز کے چھینرنے پر اسے اس اندوہناک حقیقت کا علم ہوا تھا)

”اب مجھے کیا پتا تم نے کیا سنا ہے؟“ وہ میگزین کی ورق گردانی کرتے ہوئے اپنے چشمے کو ذرا سا اوپر کرتے ہوئے گویا ہوتی تھیں۔

”امی پلیز کہہ دیجیے کہ یہ سچ نہیں ہے۔ میں از حد اپ سیٹ ہوں۔“ وہ کسی قدر مضطرب دے چھین تھا۔
”بھئی انہوں نے میگزین بند کرتے ہوئے سائیڈ پر رکھا۔

”کیا بات ہے بیٹا“ کھل کے بات کرو۔ کیوں اب سیٹ ہو؟“ اب کہ وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

”کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے مہر کے ساتھ میری منگنی کر دی ہے؟“ اس کے لہجے اور انداز میں محسوس کی جانے والی بے چینی واضطراب تھا۔ خالہ کے کمرے کی جانب آتی ہوئی وہ ٹھٹھکی کر رکی تھی۔ اپنا نام سن کر وہ وہیں اوٹ میں ہو گئی۔ فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اندر ہوتی بحث سننے لگی جو اس کی ذات سے وابستہ تھی۔ انہوں نے بغور اپنے بیٹے کی جانب دیکھا تھا جس کے تاثرات کسی طوفان کا پیش خیمہ لگدے تھے۔

”ہاں یہ سچ ہے! تم دس سال کے تھے جب تمہارے نانا اور باقی سب کی مرضی سے یہ دہشتہ.....“

”واٹ آپ نے میری منگنی کردی وہ بھی اس لڑکی کے ساتھ جو پاگل سائیکو اور ال مینڈ ہے۔ جسے نہ پہنے اوڑھنے کا سلیقہ ہے اور نہ ٹخنے بیٹھنے کی نیز اس کے ساتھ آپ نے میری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ منسوب کر دیا۔ وہ بھی اس ایجنس میں جب میں نابالغ تھا مجھے سمجھ نہیں آتی ہمارے بڑے ہماری کم عمری اور نا اہلی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اتنے بڑے بڑے فیصلے کر دیتے ہیں۔ یہ سوچے بنا کہ یہ ان کے ساتھ کتنی بڑی نا انصافی ہو رہی ہے اپنی محبتوں کا خراج مانگتے ہوئے بلیک میل کر رہے ہوتے ہیں یہ سوچے بنا کہ جس کی انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا جسے اچھے اور برے میں صحیح اور غلط کا فرق کرنا سکھایا تھا اسے از خود دھوکا دینے کا سبق سکھا رہے ہوتے ہیں اس سب کے برعکس آپ خود اچھی طرح جانتی ہیں مجھے بھی اور اس اینارمل سی مہر اظفر کو بھی۔ میرا اور اس کا کسی بھی لحاظ سے کوئی جوڑ نہیں بنتا۔ آپ نہیں جانتی کتنی لیپنار میلیٹی پائی جاتی ہے محترمہ میں اور میں.....!“

”اےس لیفٹ عثمان! برواشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے میں اگر خاموشی سے سب سن رہی ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم کچھ بھی بولتے جاؤ میں اگر سن رہی تھی تو محض تمہارے دل کی بھڑاس نکالوانے کے لیے ورنہ میں تمہیں بھی اچھی طرح جانتی ہوں اور مہر کو بھی۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں تم کتنے نارمل ہو اور وہ کتنی سائیکو وہ بھی ہماری پسند ہے ہر صورت وہی ہماری بہو بنے گی۔ یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔ چاہے تم اسے ہماری محبتوں کا خراج تصور کرتے ہوئے بلیک میلنگ کا ذریعہ سمجھو اور بھلے اسے لیپنار میلیٹی کا خطاب دیتے ہوئے سرعام اعلان کرتے پھر دو اور ہاں کچھ دنوں بعد تمہارا اس کے ساتھ نکاح ہے اس بات کو ذہن میں رکھ لو.....“ دیش اس۔“ انہیں غصہ بہت کم آتا تھا مگر جب آتا تھا تو بہت شدید آتا تھا اور غصے میں کیا بولنا ہے کیا نہیں وہ کچھ نہیں سوچتی تھیں۔ اور نہ ہی اگلے بندے کو کچھ بولنے کا موقع دیتی تھیں۔ ابھی ابھی یہی ہوا تھا جس بات کو ابھی تک راز میں رکھا گیا تھا وہ سامنے آ گئی تھی۔ جبکہ عثمان ان کے اس انکشاف پر ہکا بکا کھڑا نہیں دیکھے جا رہا تھا۔

”امی..... آپ میرا نکاح کر رہی ہیں۔ اس سائیکو کے ساتھ وہ اس قابل ہے کہ میں اپنی ساری زندگی اس کے ساتھ برباد کروں آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں؟“

”بس عثمان بہت ہو گیا اگر مجھے پہلے پتا ہوتا کہ تم اس کے بارے میں ایسی سوچ رکھتے ہو تو میں بھی ایسا فیصلہ نہ ہونے دیتی۔“

”ابھی کون سا دیر ہو گئی ہے منگنی ہے تو ہوئی ہی جس کی فی زمانہ کوئی حیثیت نہیں اور اب جبکہ آپ کو پتا چل گیا ہے کہ آپ کا بیٹا اس مس یونیورس کے لائق نہیں تو کیوں اس کی زندگی خراب کرنا چاہتی ہیں۔ منع کر دیں میں اس کے لائق نہیں کوئی اور لائق کھوٹا دیکھ کر انہیں باندھ دیجئے کم از کم میں تو نہیں.....“ ان کی بات نے تو گویا اسے پتنگ لگا دیئے تھے اس کے اندر آگ سی لگا دی تھی وہ مشتعل سا ہوا اٹھا تھا اور بنا ان کی جانب دیکھے ان کی کچھ بھی سننے پر قیاری سے لکھتا چلا گیا۔ اس بل اس کے دماغ میں گویا جھکڑ سے چل رہے تھے۔ سب کچھ جیسے طوفان کی زد میں آ گیا تھا۔ اس کی تو گویا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو گئی تھی۔ تیزی سے باہر نکلتے ہوئے اسے یکدم جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ ٹھنک کر رکا۔ غصے کی حالت میں تیزی سے گزرتے ہوئے اس نے قطعی دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ کسی کے نازک پاؤں کو اپنے بھاری شوز تلے پکھلتا چلا گیا ہے۔ علم تو جب ہوا جب درد کی شدت سے کراہتے ہوئے ہزار ضبط کرنے کی کوشش میں بھی سسکی نہیں روک پائی تھی اور اس نے بادل نخواستہ پلٹ کر دیکھا تھا اور جسے دیکھا تھا اس نے تو گویا جلتی پرتیل کا کام کیا تھا۔

”ہنہ ایڈیٹ یا گل اور سائیکو تو لگتی ہی تھیں آج علم ہوا کہ کن سوئیں لینے کی عادت بھی ہے محترمہ میں ہنہ ان کا انتخاب کیا گیا ہے میرے لیے۔“ اسے حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سخت الفاظ سے لواڑتا لے لے ڈگ بھرتا لکھا چلا گیا۔ جبکہ اس کا دل چاہ رہا تھا زین پھنے اور وہ اس میں سما جائے آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

عثمان اور مہر کا نکاح ہو رہا ہے وہ بھی عثمان کی مکمل رضامندی کے ساتھ۔ کسی نے اس کی رضامندی لینے کی کوشش نہیں کی تھی بنا اس سے پوچھے تاریخ طے کر دی تھی۔ اس کی عزت نفس کو مٹی میں ملا دیا گیا تھا۔ اس کے جذبات کی پروا کیے بنا اتنا بڑا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

”امی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“ اس کا پورا حق تھا احتجاج کرنے کا۔

”کیا بات ہے مہر! طبیعت تو ٹھیک ہے نا بیٹا۔“ وہ حسب معمول پریشان سی اس کی جانب بڑھی تھیں اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر چیک کرنے لگیں۔

”امی میں ٹھیک ہوں پلیز۔“ اس نے ان کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے مضطرب سے انداز میں کہا۔

”طبیعت ٹھیک ہے تو اتنی ڈسٹرب کیوں لگ رہی ہو کوئی بات ہوئی ہے کیا؟“

”کوئی بات امی؟ اتنی بڑی بات ہو گئی ہے اور اب بھی آپ کہہ رہی ہیں کوئی بات ہوئی ہے۔ آپ میرا نکاح کرنے جا رہی ہیں اور ڈیٹ بھی فکس کر دی ہے؟“

”اے ہاں کل آپ کا فون آیا تھا وہ لوگ نکاح کی تاریخ مانگ رہے تھے میں نے تو کہا کہ کچھ دن ٹھہر جائیں تمہارے ایگزیکٹوز چل رہے ہیں مگر مان کر نہ دیں کہہ رہی تھیں عثمان اتنا ڈالا ہوا جا رہا ہے اوپر سے انہوں نے تمہارے ابو سے بھی رضامندی لے لی ہے مجھے بھی فون کر دیا کہ تاریخ دے دوں اب میں کیا کرتی سب کی مشترکہ مرضی.....“

”مشترکہ مرضی..... اور میری مرضی کی کوئی وقعت کوئی حیثیت نہیں؟ ڈیٹ فکس کرنے سے پہلے میری مرضی میری رضامندی لینے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ کیا میری رائے اتنی غیر اہم تھی میری زندگی کی ڈور اس شخص کے ساتھ جوڑنے جا رہے ہیں جس کے لیے میں ایک سائیکو اور ال مینرڈ لڑکی ہوں۔ اس لائق فائق انسان کے لیے ایک میں ہی رہ گئی ہوں کیا؟“

”بیٹا یہ سب اس نے محض تمہیں سنانے کے لیے کہا تھا“

تب نکاح نہیں ہوا تھا؟ کیسے اور کیوں؟ یہ اسے بالکل علم نہیں تھا اور نہ ہی وہ جاننا چاہتی تھی اس نے تو شکر کیا تھا کہ بلا خود ہی سر سے ٹل گئی۔ اس نے اس پورے عرصے میں عثمان کو ٹوٹ کر چاہا تھا بے پناہ محبت کی گئی جب اسے علم ہوا تھا کہ عثمان کے ساتھ اس کا مستقبل وابستہ ہونے جا رہا ہے اسے لگا ہفت اقلیم ہاتھ لگ گئی ہو عثمان بہت خوب رو انسان تھا وہ کسی کا بھی خواب ہو سکتا تھا مگر اس کا نہیں..... بقول عثمان کے کہ وہ سائیکو ڈپاگل اور ال مینرڈ بھی اور حقیقتاً وہ ایسی ہی تھی اسے پہننے اوڑھنے کا سلیقہ نہیں تھا۔ وہ عام سی شکل و صورت والی تھی ایسی ہرگز نہیں تھی کہ اگر کوئی دیکھتا تو دیکھتا رہ جائے۔ اس کے باوجود عثمان کے ساتھ تعلق اس کے لیے تو گویا تحمل میں ٹاٹ کے پیوند کے مصداق تھا وہ پہروں اسے سوچتی رہتی۔ علم تو اسے اب ہوا تھا جسے سپنوں میں اپنے ہمراہ چلتے ہوئے دیکھتی تھی وہ تو سرے سے ہی لاعلم ہے اس کے بارے میں وہ کیا سوچتا ہے کیا رائے قائم کرتا ہے اس کے بارے میں بولتے ہوئے کتنی حقارت تھی اس کے لہجے میں کتنی نفرت سے اس کا ذکر کرتا ہے وہ تو واقعی پاگل تھی جو سپنے بنتے ہوئے یہ بھول گئی کہ اکثر سہانے خوابوں کی تعبیریں سہانی نہیں ہوتیں لیکن آج وہ اچھی طرح جان بھی گئی تھی اور مان بھی گئی تھی۔

اس نے عثمان کے بارے میں سننا اور سوچنا چھوڑ دیا تھا مگر بالکل غیر ارادی طور پر خود کو اس کے قابل بنانے کے لیے نہیں بلکہ خود کو ویل مینرڈ ثابت کرنے کے لیے بدلنے لگی تھی وہ خود کو احساس دلانا چاہتی تھی کہ جسے پاگل اور سائیکو کہہ کر دیکھ کر کیا گیا ہے وہ سو برا اور ویل مینرڈ ہے اسے کوئی بھی یونہی منہ اٹھا کے بنا اس کے جذبات کی پروا کیے کچھ بھی سنا کے نہیں جاسکتا اور اس نے خود کو اس قابل بنا بھی لیا تھا۔

وہ لی ایس کے فرسٹ ایئر میں تھی جب اسے ایک دھماکا

ہیز نیوز می

تا کہ تم خود کو بدلو۔ یہ جو تم بول جلول چلے میں گھومتی رہتی تھیں اسے چڑھتی تھی یوں تو تم کسی کی سنی نہیں تھیں اسی لیے اس نے بیدار ڈھونڈی تاکہ.....

”مجھے سدھارنے کے لیے دل وروح کو چھلنی کر دینے والے الفاظ استعمال کیے مجھے بدلنے کے لیے میری عزت نفس کو مجروح کیا آپ ہی بتائیے امی اگر وہ ایسے ہی مجھے خود کو بدلنے کے لیے کہتا تو کیا میں نہ بدلتی؟“

”ہاں کیونکہ تمہیں جب بھی کوئی کچھ کہتا تھا تم انور کر دیتی تھیں۔“ انہوں نے فوراً بات کالی تھی۔

”آپ کی بات اور ہے امی جب آپ کہتی تھیں تو مجھے لگتا تھا آپ باقی سب ماؤں کی طرح اپنی بیٹی کے لیے کچھ زیادہ ہی پوزے سوہور ہی ہیں۔ بہر طور اس نے جو کیا وہ مجھے برا لگا بہت برا اس نے میرے دل کو بہت زیادہ ٹھیس پہنچائی ہے اور یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں جب دل میں ایک بات ٹھہر جائے تو ہر چیز بری لگتی ہے جب ایک بار چہرہ دھندلا جائے تو اسے صاف شفاف دیکھنے کی حسرت بھی محسوس ہو جاتی ہے۔ مجھے عثمان سے نکاح نہیں کرنا یہ میرا حتمی فیصلہ ہے آپ بھی سن لیجیے اور باقی سب کو بھی انعام کر دیں۔“ اس کے اہل انداز پر وہ دل پر ہاتھ رکھ کر وہیں ڈھس گئی تھیں۔ مہر نے قدرے چونکتے ہوئے ان کی جانب دیکھا تھا۔

”کیا ہوا امی! آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟“ وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھی تھی۔ انہوں نے شخص سر ہلایا۔

”دیکھو مہر اگر تم نے انکار کرنا ہے تو سو بار کرو لیکن اتنا یاد رکھنا اس انکار کی وجہ سے میرے اندر جو آندھی طوفان سراٹھا رہے ہیں وہ بربادی و جہاںی لے کر آئیں گے یہ نہ ہو کہ ایک ذرا سی بات کی پھاس لیے تم ساری زندگی کے بچھتوے خرید لو۔“

”کیا مطلب امی! مجھے سمجھ نہیں آئی آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟“

”دیکھو مہر تم اچھی طرح جانتی ہو میری شادی میری مرضی سے ہوئی تھی کوئی بھی اس شادی سے خوش نہیں تھا

میں نے ضد کی جان دینے تک کی دھمکی دی میرا فیصلہ غلط نہیں مگر سب مجھے اپنی مرضی کرتے دیکھ کر اپنی عزت کو ملیا میٹ ہوتا دیکھ کر سر توڑ کوشش کر رہے تھے کہ میں اپنے فیصلے سے ہٹ جاؤں مگر میں ضدی تھی جیسے اب تم..... میں نے کسی کی ایک نہ سنی میرا رشتہ طے ہو گیا تمہارے ابو غیر برادری سے تعلق رکھتے تھے ان کا بھرا پرانہ گھر تھا مگر وہاں بھی اس رشتے پر کوئی راضی نہیں تھا اسی لیے وہ تنہا یہ معرکہ سر کرنے چلے آئے۔ میں لڑکی تھی اوپر سے حد درجہ ضدی بات منوانا میری فطرت بھاگنا پیری سرشت میں کہیں نہیں تھا اور نہ ہی میں نے کبھی اس سچ پر سوچا تھا میری شادی ہو گئی سب ناراض مگر منہ یہ خوش اخلاقی سجائے پھرتے رہے ایک اماں تھیں اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے (آمین) انہوں نے کوئی مردوت نہ دکھائی اور آخر تک مجھے بے بھاد کی سنائی رہی۔ انہوں نے بددعا تو کوئی نہ دی لیکن ماں کی آہ تو عرش تک کو ہلا دیتی ہے وہ مجھ سے روٹی روٹی ہی رخصت ہو گئیں اور میں ان کی نہ دی گئی بددعاؤں کی زد میں آ گئی اور آج تک اسی گھر میں پڑی ہوئی ہوں تمہاری شادی ہونے کو آئی مگر مجھے سسرال والوں نے ابھی تک قبول نہ کیا تمہارے ابو تو ساری زندگی بیرون ملک بس گئے جبکہ میں اپنے ہی ماں باپ کی دہلیزیہ بیٹھی بھابیوں کے شہد میں اپنے طنز طعنے سنتی رہی ان کی سرکوشیاں مجھے اندر تک ادھیڑ دیتی ہیں خیر میری عمر تو گزر چکی بیٹا مگر میں نہیں چاہتی تمہیں یہ سب سہنا پڑے۔“ ان کی آواز لرز رہی تھی زبان کی لڑکھڑاہٹ ان کے اندرونی جذبات کی عکاسی کر رہی تھی۔

”تو آپ یہ سب کیوں سہہ رہی ہیں امی! کس نے مجبور کیا ہے آپ کو؟ اگر آپ کو آپ کے سسرال والوں نے قبول نہیں کیا تو کیا ابو آپ کو ایک علیحدہ گھر نہیں دے سکتے تھے۔“ اس نے کسی قدر طنز اور ناگوار لہجے میں استفسار کیا تھا۔ اتنے برس بیت چکے تھے مگر اسے علم نہ ہوسکا کہ گھر کی فضا اتنی کشیدہ رہتی ہے۔

”ہاں کیونکہ وہ اس وقت یہی دامن تھے وہ مجھ سے

”واٹ.....“ وہ جتنی تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی تھی اسی تیزی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔
 ”امی کسی کی ضد کی خاطر آپ اپنی بیٹی کو.....“
 ”کسی کی ضد کی خاطر نہیں بلکہ اپنی بیٹی کے بہتر مستقبل کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں چاہے تم اسے بلیک میلنگ ہی سمجھ لو۔“ انہوں نے لہجے میں سختی بھر کر نہایت سرد انداز میں کہا تھا۔
 مہر کتنے ہی لمحے ہکدک سی کھڑی رہی۔



”مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے عثمان۔“ وہ اس وقت نوید وہاب اور شاہین کے ساتھ بیٹھا تھا، بھی جی آر شگفتہ چہرے پر خفگی بھرے تاثرات لیے ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی اس کے چہرے کے تاثرات ایسے تھے کہ ناچاچتے ہوئے بھی عثمان کو متوجہ ہونا پڑا۔
 ”جی کہیے مس شگفتہ خیریت۔“ استفہامیہ انداز میں استفہار کیا تھا اور اس کے استفہار پر کچھ بل وہ لفظ اکٹھے کرتی رہی جبکہ عثمان منتظر ہی رہا۔
 ”کیا آپ پہلے سے التجڈ ہیں؟“ اس نے اپنی ساری ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ ایسی لڑکی تھی جو دل میں بات رکھنے کی قائل نہ تھی اس کے نزدیک ٹینشن لینے سے بہتر ہر معاملے کو ریا پار لگا دینا تھا۔

”آپ یہ پوچھنے کے لیے مجھے یہاں لے کر آئی ہیں؟“

”جی.....! اور مجھے اس کا جواب بھی چاہیے۔“ عجیب دھونس بھر انداز تھا۔ عثمان کو از حد ناگوار گزارا تھا۔

”ایکسیکو زمی مس شگفتہ صاحبہ! یہ میرا پرسنل معاملہ ہے اور اپنی ذاتیات میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کو اس کی اجازت دیتا ہوں۔“ ماسٹڈاٹ۔“ اس نے خاصے سرد اور کھردرے انداز میں کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”آپ کے پرسنل آپ کے پرسنل میں میری کوئی جگہ نہیں اگر آپ کے نزدیک میری کوئی حیثیت نہیں تو مجھے اس راہ پر چلایا کیوں..... آپ کو.....؟“

شادی کی خاطر سب کچھ چھوڑ آئے تھے میں نے بھی ان پر کوئی زور نہیں دیا جب تک وہ یہاں رہے ہم کرائے کے گھر میں رہے غیرت مند تھے اسی لیے سسرال میں نہیں رہے۔ لیکن جب گئے تو مجھے یہاں چھوڑ گئے گھر والے ناراض تھے مگر انہوں نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا اپنے تھے ناں لیکن تمہارے ابو وہاں گئے تو وہیں کے ہو کر رہ گئے گھر کی بات کرتی تو کہہ دیجئے میں جلد آؤں گا مگر وہ جلد کبھی نہیں آیا۔“

”اوگا ڈام..... آپ.....“ وہ اپنا سر تھام کر رہ گئی۔ زبیدہ اظفر بہت دیر تک سسکتی آنسو بہاتی رہیں۔ پھر مہر کی جانب متوجہ ہوئیں۔

”اسی لیے میں چاہتی ہوں تم وہ تاریخ نہ ہراؤ اس سیاہ ورق کو میں نے شروع سے ہی بند رکھا ہے بھولے سے بھی کھولنے کی ہمت نہیں کی چاہتی ہوں کہ اب بھی مجبور نہ ہوں۔“ انہوں نے دھڑک انداز میں اسے بتلایا تھا۔

”امی پلیز آپ جہاں کہیں گی میں وہیں شادی کروں گی ہرگز نہیں پوچھوں گی کہ مجھ سے منسوب ہونے والا شخص کون ہے..... کیسا ہے؟ مگر یہاں کے لیے مجبور مت کریں۔ آپ نہیں جانتیں میں کتنی ڈس ہارٹ ہوئی ہوں۔ عثمان کے ساتھ میرا دل نہیں مانتا۔ جو اس نے کہا وہ میرے دل پر نقش ہو کر رہ گیا ہے۔“

”یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے بیٹا تم نے جو سنا وہ محض تمہیں سنانے کے لیے تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تم اس بات کو دل سے لگا بیٹھی ہو بڑے جو فیصلے کرتے ہیں وہ بہت سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔“

”آئی نو امی..... لیکن مجھے عثمان سے شادی نہیں کرنی۔ میرا فیصلہ اٹل ہے۔ اگر آپ ضدی ہیں تو میں بھی آپ کی بیٹی ہوں۔“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

”اگر یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے تو میرا فیصلہ بھی سن لو۔ تمہارا نکاح ہوگا اور عثمان سے ہی ہوگا۔ اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہیں دودھ نہیں بخشوں گی۔“

”جسٹ آئیکنڈ! آپ جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں آپ ہوش میں تو ہیں۔“ اس نے کسی قدر استفہامیہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے کسی قدر ناگواریت سے کہا تھا۔

”جی بالکل! میں پورے ہوش و حواس میں آپ سے مخاطب ہوں۔“ اس نے کسی قدر جتاتے ہوئے جواب دیا۔

”دیکھئے محترمہ مجھے نہیں پتا کہ آپ کس بیس پر اتنی بڑی بات کہہ رہی ہیں۔ لیکن میں آپ کو اتنا بتا دوں میں صرف انگریز ہی نہیں نکاح بھی ہو چکا ہے میرا اور جس کے ساتھ میں وابستہ ہوں اس کے ساتھ خلص بھی ہوں۔ اس کے ساتھ میری جذباتی وابستگی بھی ہے مجھے جتنا عرصہ ہوا ہے اس یونیورسٹی سے وابستہ ہوئے الحمد للہ اس عرصے میں میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو یا تنگ محسوس ہوئی ہو جتنی مجھے اپنی عزت کی پروا ہے اتنا ہی دوسروں کی بھی مجھے خواتین کے تقدس اور اس یونیورسٹی کے تقدس کا بھی خیال ہے میں نہیں جانتا کہ آپ کو میری کس بات نے اتنی غلط فہمی میں مبتلا کیا لیکن میں نے

نہ آپ کے اور نہ ہی کسی اور لڑکی کے بارے میں ایسا کچھ فضول سوچا ہے اور دوسری بات یہ کالج یونیورسٹی یہ تعلیمی ادارے پڑھنے کے لیے ہوتے ہیں نا کہ ایسی غلط فہمیاں اور خوش فہمیاں پال کر اپنی زندگیاں خراب کرنے کے لیے۔ یہاں ہمیں شعور دیا جاتا ہے نا کہ..... خیر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں اگر جانے انجانے مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو ایم ریٹلی ویری سوری..... ایکسکوزی۔“ اس کے ضبط سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر اس نے مزید کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کیا اور وہاں سے چلے جانے کو ترجیح دی تھی جبکہ گفتہ.....!

اس کے تو گویا کاٹو تو بدن میں اب نہیں اپنے ہی ہاتھوں اپنی عزت نفس کو مجروح کیا تھا ایسے کہ کسی دوسرے سے آگے ملانے کے قابل نہ رہی تھی۔



اوگاڈا! یہ بارش کتنی کیوں نہیں اتنے دنوں سے برسی ہی جا رہی ہے اوپر سے یہ انڈینز پانی پہ پانی چھوڑے جا رہے

ہیں خود تو بیچ جاتے ہیں پاکستان کی معصوم عوام کو مصیبتوں کے سپرد کر دیتے ہیں انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں ان لوگوں میں۔ انہیں تو موقع ملنا چاہیے معصوم پاکستانیوں کو تکلیف پہنچانے کا۔“ وہ اس وقت چھت پر پھیلے ہوئے کپڑے اتارنے لگی تھی ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی تھی۔

”ان کو کیوں کوس رہی ہو ان کا کیا قصور ہے اگر وہ ادھر پانی نہ نکالیں گے تو جیسے ہمارے گاؤں کے گاؤں اور دیہاتوں کے دیہات تباہ ہوتے ہیں اس وقت وہ لوگ اس سب کا شکار ہوئے ہوتے یہاں تو بھائی بھائی کو نہیں بخشتا وہاں تو معاملہ ہی گہری دشمنی کا ہے۔“ جانے کب سے بارش کی برستی بوندوں تلے کھڑا عثمان اس کی باتوں پر مغلوظ ہوتے ہوئے خود کو بولنے سے روک نہیں پایا تھا۔

دوسری جانب اس کے یوں بولنے پر اسے یک دم جھٹکا سا لگا تھا۔ اسے قطعاً امید نہیں تھی کہ چھت پر اس کے علاوہ بھی کوئی اور ہے۔ اس کی بات پر اس نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔

”ہنہ! لگتا ہے انہوں نے آپ جیسوں سے ہی ٹریننگ لی ہے منہ پہ کچھ دل میں کچھ..... دونوں ایک سے دھوکے باز خود غرض اور..... انہہ.....“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی سختی سے ہونٹ بھیجنے اور کپڑے سمیٹ کر وہاں سے جانے لگی۔

”وہ بات کلیئر ہو چکی ہے مہر پھر کیوں تم اسی کو لے کر کرہتی رہتی ہو کیوں بار بار خود اذیتی کا شکار ہوتی ہو۔“

”کوئی بھی بات کلیئر نہیں ہوئی جو آپ نے کہا وہ آج بھی میرے دل پر لکھا ہوا ہے۔“ اس کے لہجے میں اذہد سنجیدگی اور اشتعال پنہاں تھا۔ عثمان قدیرے حیران ہوا۔

”کیوں مہر! یہ سارا معاملہ کلیئر ہوا بھی تو ہمارا نکاح ہوا تھا تبھی تو تم راضی ہوئی تھیں۔“

”جی نہیں.....! نہ نکاح میری مرضی سے ہرگز نہیں ہوا۔ یہ محض آپ کی آپ کے گھر والوں کی اور میرے گھر والوں کی مرضی سے ہوا تھا ورنہ میرا جواب کسی سے پوشیدہ ہرگز نہیں تھا ہاں یہ اور بات کہ ہر کوئی انجان بنا پھرے تو.....!“ اس

نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ”ایم سوری یار لیکن تم لوگوں نے مل کر مجھے ایسے گناہ

میں ملوث کر دیا ہے جو میں نے کیا ہی نہیں، محض ذرا سا مذاق ذرا سی غلط فہمیاں کسی کو خوش فہمی کا شکار بنا کر ساری زندگی کے لیے شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیتی ہیں۔

شاید تم جیسے لوگ یہ نہ سمجھ سکیں، تم لوگوں کو علم ہے کہ تم لوگوں کے ذرا سے مذاق ان ڈائریکٹ فقرے بازی اور خوش فہمی کے پہاڑ پر چڑھ دینے والی چھیڑ چھاڑ کے باعث مس

حکفۃ کو اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار بنا دیا ان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ میں میں ان میں انوالو ہوں انہیں پسند کرنے لگا ہوں انہیں لگتا تھا میں ان میں انٹر سٹڈ ہوں اور جب انہیں علم ہوا کہ میں آل ریڈی انکبجڈ ہوں تو وہ اپنی عزت نفس اپنے وقار کو پس پشت ڈالتے ہوئے مجھ سے استفسار کرنے چلی آئیں اور آج اگر انہوں نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑی ہے تو صرف اپنی عزت نفس کو مزید مجروح ہونے سے بچانے کے لیے میں بہت کٹنی ٹیل کر رہا ہوں یا بہت زیادہ لڑکیاں اتنی جذباتی ہوتی ہیں کہ ذرا سے مذاق اور چھیڑ چھاڑ کو کس انداز میں لے لیتی ہیں بہر طور اس سارے قصے میں ہم سب قصور وار ہیں۔“

”شرمندہ تو ہم بھی ہیں یار تم سے بھی اور حکفۃ سے بھی، ہم تو بہت پہلے سے جانتے تھے جب انہوں نے یونیورسٹی آنا چھوڑا تھا ہمیں بالکل اندازہ نہیں تھا وہ ہمارے چٹکوں کو اتنی سنجیدگی سے لے لیں گی اور جو جرم ہم سے ہوا ہے اس کی پاداش میں وہ خود کو اذیت دیتے ہوئے ایک جاہل گنوار سے شادی کا فیصلہ کر لیں گی، حقیقتاً ہم سب نے مل کر ایک لڑکی کی زندگی خراب کر دی ہے۔“ نوید نے ایک اور انکشاف کیا۔

”کیا.....؟ وہ اس جنگلی صفدر سے شادی کر رہی ہے؟“ اسامہ کو یک دم جھٹکا سا لگا تو وہ اچھل کر کھڑا ہوا اس کے یوں اچھلنے پر باقی سب چونکے تھے۔

”کیا بات ہے شہزادے ایسا اچھلنا اور چونکنا بہت کچھ اخذ کرتا ہے ایم آئی رائٹ گائز“ رضوان کسی بڑے مفکر کی طرح آنکھیں کھاتے ہوئے گویا ہوا۔ باقی سب معنی

”اس کا مطلب ہے کہ یہ رشتہ صرف میرے لیے اہم ہے تم نے محض ایک رشتہ قائم کیا ہے جس میں کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہے۔“ وہ گویا کسی گہرے شاک میں مبتلا ہوا۔ وہ تو اپنی خوش فہمی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

اس نے گہرے دکھ بھرے انداز میں اسے دیکھا جو اسے دیکھتے ہوئے طنزیہ مسکرائی اور رخ موڑ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

جانے کتنے ہی لمحے بہت گئے تھے اسے اس راہ کو دیکھتے ہوئے جہاں سے وہ دشمن جاں گزر گئی تھی اس وقت اسے خود میں اور حکفۃ میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھی شاید غلط فہمی یا خوش گمانی کے ہاتھوں ماری گئی تھی اور میں بھی دھوکے میں ہی مارا گیا تھا۔



”یار اس بار اینول فنکشن ذرا یادگار سا ہونا چاہیے یہ ہمارا لاسٹ لیٹر ہے اس کے بعد ہم کہاں کون جانے اس کی ہر یاد یادگار ہونی چاہیے۔“ آج بہت دنوں بعد سب دوست اکٹھے ہوئے تھے بھی شاہین نے برجوش انداز میں کہا۔

”ایم سوری یار شاید میں نہ آ سکوں۔“ جواباً عثمان گہری سنجیدگی لیے گویا ہوا۔

”یہ کیا بات ہوئی یار تو نہیں آ رہا حکفۃ صاحب آل ریڈی غیر حاضر ہیں ارم صاحبہ کی شادی ہو رہی ہے اس کا بھی ابھی کوئی فائل نہیں ہوا کس آئے گی یا نہیں تو پھر کیا ہم یہاں جھک مارنے آئیں گے حکفۃ کے نام پر چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا ارم چونکہ اسے ہی دیکھ رہی تھی اس لیے اس کے تاثرات چھپے نہ رہ سکے تھے باقی سب نے بھی اس کی خاموشی کو نوٹ کیا تھا۔

بھی ارم نے استفسار کیا۔

”کیا بات ہے عثمان سب ٹھیک تو ہے ناں آپ کچھ پریشان سے لگدے ہیں۔“ وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔

اس کے پوچھنے پر عثمان نے دزدیدہ نظروں سے ان سب کی جانب دیکھا۔

ہو جاؤں اور تمہاری غلط فہمی میں مددگار بنوں۔
”مجھے ایسی کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔“ کرنے کی کوئی
حاجت ہو۔ الماسکجی رومی.....“ سرد سے انداز میں کہہ کر وہ
آگے بڑھ گئی۔

عثمان نے کسی قدر ناگواری سے ان سب کی جانب
دیکھا تھا۔

”تم لوگ کبھی نہیں سدھر سکتے ابھی اتنی بڑی بڑی
باتیں کر رہے تھے اور ابھی اگین وہی مفروضے دہرانے
شروع کر دیئے ہیں۔“

”لیکن مجھے ضرورت ہے۔ جس رشتے میں ہم
بندھے ہیں اس میں لائق ایک اضافی سلسلہ ہے جسے
میں مزید جاری نہیں رکھ سکتا۔“ ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں تو یہ
سرد انداز و رویہ چہ معنی دار؟ اس کے لہجے میں محسوس کی
جانے والی بے چینی واضح طور پر تھا جسے وہ جان بوجھ کر نظر
انداز کر رہی تھی۔

”یہ مفروضے نہیں لگا رہے یا آئی ریلی لوڈ ہر اور بیاب
کی بات نہیں میں شروع سے ہی اسے پسند کرتا تھا مگر رنج
میں یہ سب ہو گیا اور نہ میں اسے کچھ بتا سکا اور نہ ہی وہ کچھ
سننے اور دیکھنے کی پوزیشن میں تھی لیکن اب میں پیچھے نہیں
ہٹوں گا۔“ وہ ایک نئے عزم کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

حالانکہ اب وہ خود بھی بھٹک گئی تھی اس وجہ سے ملی کے
کھیل سے آج وہ بھی چاہتی تھی یا تو یہ طوق اتر جائے یا
پھر.....!

”اگر تم واقعی سرپس ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ آخر
یہ مس کلفتہ کی پوری زندگی کا سوال ہے کوئی بھی غلط اسٹیپ
ان کی زندگی خراب کر دے گا۔“ عثمان کی بات پر بھی کے
چہرے پر چھائی خوشی مزید گہری ہوئی تھی۔

”کون سی غلط فہمی دور کریں گے مجھے جیسی پاگل سا نیکیاں
ممنون لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے مگر.....! کیا یہ
میری غلط فہمی تھی یا جو میں نے سنا وہ سچ نہیں تھا یا جو آپ نے
کیا وہ ایک ڈرامہ تھا..... یا آپ نے محض مجھے بچا دیکھانے
کے لیے یہ سارا ڈرامہ رچایا۔ کیا یہ میری غلط فہمی تھی؟ یا
میرے پیروں کو چل کر ثابت کرنا کہ میری حیثیت ایک
تکے کی مانند ہے اور میری اہمیت کتنی ہے آپ کی زندگی میں؟
یہ میری غلط فہمی تھی۔“ آخری فقرہ ادا کرتے ہوئے اس کے
لبوں سے سسکی ابھری تھی جسے اس نے ضبط کرنے کی کوئی
کوشش نہیں کی تھی۔

”ہم سب بھی ساتھ ہیں۔“ سبھی نے ہاتھ
اٹھائے تھے۔

اسامہ تو خوش تھا ہی مگر عثمان کو لگا ایک تو اس کا بوجھ کم
ہو گیا دوسرا وہ کلفتہ سے اپنے گزشتہ رویے پر معذرت
بھی کر لے گا کیونکہ اس کی وجہ سے جانے کتنی اذیت
ہوئی ہوگی اسے۔

”وہ محض ایک سیڈنٹ تھا مہر میں نے جان بوجھ کر
تمہارے پاؤں پہ پاؤں نہیں رکھا تھا آئی سوئیر پلیز بلیو
می۔“ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی اسے کیسے یقین دلانے۔

اسامہ خوش قسمت تھا اس کی سن لی گئی تھی یہ سب کسے
ہوا؟ صفدر کو ناں اور اسامہ کو ہاں کیسے ہوئی؟ یہ ایک جیسی
استوری تھی بہر طور اسامہ کو اس کی محبت مل گئی تھی اور
کلفتہ.....! اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا
اور عثمان اس نے پہلی فرصت میں ہی کلفتہ سے معذرت
کر لی تھی جانے انجانے میں ہی سہی بہر حال وہ اسے
تکلیف تو پہنچا ہی گیا تھا غلطی اگر کلفتہ کی تھی تو ان سب کا
بھی اتنا ہی قصور تھا سبھی نے اس سے معذرت کی تھی اور ان
کی انجمن کو بھرپور طریقے سے سنا نچوائے کیا تھا۔

”نور نیلی! چلیں ماں لیتی ہوں وہ محض ایک سیڈنٹ تھا اور
اس روز جو آپ نے کہا کیا واقعی وہ میری غلط فہمی تھی بقول
امی مجھے سدھانے کے لیے ایک لازوال ڈرامہ تخلیق کیا
گیا تھا اور پلیز آج جھوٹ مت بولیں گا میں آل ریڈی
ایسی ڈرامہ بازیوں سے تنگ آ چکی ہوں اگر رنج ہو تو شاید
کوئی منجائش نکل آئے۔“ اس کی بات پر وہ چند لمحے خاموش

”اگر تم مجھ سے کھل کر بات کر لو تو شاید میں بھی مطمئن

رہا دوردیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

کہ عثمان بے ساختہ ہنسنے لگا کر اس پڑا۔

مہر کو اس سے ایسی کوئی امید نہیں تھی، جھینپ کر رہ گئی اور کافی دیر تک کچھ نہ بولی تو عثمان سنجیدہ ہو گیا۔

”جو میں نے کہا وہ تب سچ تھا اور میرا خیال ہے تب جو میں نے کہا وہ کچھ غلط بھی نہیں تھا۔“ اس کی بات پہ مہر نے شکایتی انداز میں دیکھا وہ نظریں چما گیا۔

”جو میرے دل میں تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ اس میں کوئی جھوٹ نہیں اور نہ ہی کوئی مبالغہ آرائی کی ہے آئی ہو پ تمہاری غلط فہمی دور ہو گئی ہوگی اور اگر نہیں ہوئی تو میرا خیال ہے اب تم محض چھوٹی سی بات کو لے کر.....!“

”فطری سی بات ہے جب آپ کے لیے کسی کو چنا جائے تو آپ نا چاہتے ہوئے بھی اسے سوچتے ہو اسے دیکھنے کی خواہش کرتے ہو اور تب تم آئم ریلی سوری

”میں ہر بات بھول گئی ہوں عثمان۔ میں خوش اور مطمئن ہوں جب مجھے آپ کے ساتھ اپنے تعلق کا علم ہوا تو میں بہت خوش تھی مجھے آپ کے ساتھ پر فخر تھا مجھے تب اپنا آپ کے بغیر ادھورا لگتا تھا اور اب بھی لگتا ہے لیکن.....!“

بٹ..... اس وقت ایمان داری سے کہوں تو ال مینرڈ اور سائیکو ہی لگتی تھیں اس روز جو میں نے کہا وہ میرے احساسات تھے اس وقت مجھے لگا گویا میں تباہ ہو رہا ہوں میرا مستقبل تاریک ہو رہا ہے اس روز جو میرے دل میں آ رہا تھا

”لیکن.....!“ اس لیکن پہ عثمان کی جان اٹک گئی تھی۔

میں وہ بولتا جا رہا تھا لیکن بعد میں جب تم بدل گئیں تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ جذبات میں آ کر میں نے کتنی بڑی غلطی کر دی ہے لیکن زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی میں نے سب کو بلیک میل کیا اپنی ہی غلطی کو ذرا مہکا نام دے کر سب کو راضی کر لیا آئی سویر مہر اس میں صرف یہ جھوٹ تھا باقی

”لیکن آپ کی اس روز کی باتیں..... اور میرے پیروں کو بے دردی سے چل کر گزر جانا اور اس وقت آپ کے چہرے کے وہ سرد و کڑخت تاثرات میں کبھی نہیں بھول سکتی کسی کے بھی کہنے سے نہیں شاید آپ کا ساتھ مجھے سب بھلا دے میں کچھ کہہ نہیں سکتی لیکن میں اس وقت کا انتظار

سب سچ تھا میری فیملی کو میرے احساسات و جذبات سب سچ تھا میں تم سے محبت کرتا ہوں مہر پلیز بلیو می۔“ وہ سنجیدگی سے بتاتے ہوئے ایک دم ہڑی سے اترا جبکہ مہر کنفیوز

”لیکن آپ کی اس روز کی باتیں..... اور میرے پیروں کو بے دردی سے چل کر گزر جانا اور اس وقت آپ کے چہرے کے وہ سرد و کڑخت تاثرات میں کبھی نہیں بھول سکتی کسی کے بھی کہنے سے نہیں شاید آپ کا ساتھ مجھے سب بھلا دے میں کچھ کہہ نہیں سکتی لیکن میں اس وقت کا انتظار

ہوتے ہوئے کانوں کی لوہوں تک سرخ ہو گئی تھی۔

”وہ دن دور نہیں مہر جب میری محبت میری پر خلوص رفاقت تمہیں سب کچھ بھلا دے گی ان شاء اللہ یہ میرا وعدہ ہے تم سے بھی اور خود سے بھی۔“ وہ خوش تھا مطمئن تھا آج ساری کشمکشیں ایک دم دھل گئی تھیں وہ سرشار سا گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسی راستے پر چل پڑا جس پر وہ

وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھی تبھی عثمان نے اس کی کلائی تھام لی..... اس کے لمس نے گویا اس کے پورے وجود میں پھریری سی بھر دی تھی چہرہ گلنار ہو گیا اس نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا تھا۔

”وہ دن دور نہیں مہر جب میری محبت میری پر خلوص رفاقت تمہیں سب کچھ بھلا دے گی ان شاء اللہ یہ میرا وعدہ ہے تم سے بھی اور خود سے بھی۔“ وہ خوش تھا مطمئن تھا آج ساری کشمکشیں ایک دم دھل گئی تھیں وہ سرشار سا گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسی راستے پر چل پڑا جس پر وہ

”اس کی نرمی یہ وہ ذرا رعب میں نہ آیا تھا۔“

”پلیز زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں مجھے بہت برا لگ رہا ہے خاصے چپ لگ رہے ہیں اس وقت۔“ اس نے بنا گئی لپٹی رکھے فٹ سے بول دیا انداز اتنا معصومانہ تھا

”اس کی نرمی یہ وہ ذرا رعب میں نہ آیا تھا۔“

